

اس عظیم تفسیر کے مولف نصف صدی کے قریب پانی پت کے قاضی و جج بھی رہے۔ اپنی اس حیثیت میں انہیں فقہ اور مسائل فقہ کے مطالعے اور اس کے نفاذ دونوں کے مشاہدے کا موقع ملا۔ بعض اوقات دربار شاہی کے فیصلے بھی ان کی فقہی رائے پر موقوف رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہر مکتب فکر کے ہاں ان کا یکساں ادب و احترام کیا جاتا ہے۔ لہذا اراضی ہندو پاک وہند کے بارے میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اراضی ہند کا تاریخی پس منظر

اراضی ہندو پاک پر شرعی حیثیت سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کے تاریخی پس منظر پر کچھ روشنی ڈالوں۔ فقہی اعتبار سے مسلمانوں کی مفتوحہ اراضی کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ قسم اول میں وہ اراضی آتی ہیں جو مسلمانوں نے صلح و عہد کے ذریعے حاصل کیں، مثلاً نجران، ایلا، اذرج وغیرہ کے علاقے اس قسم کی زمینوں کے معاملے میں معاہدات ہی پر عمل کیا جاتا ہے جبکہ قسم ثانی میں ایسے علاقے شامل ہیں جنہیں مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا اور وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی بیشتر زمینیں اسی قسم میں شامل ہیں۔ آج کی اس نشست میں یہی قسم ہماری اس بحث و تحقیق کا موضوع ہے۔

سیاسی و جغرافیائی مجبوریوں کے تحت مسلمانوں نے بر عظیم پاک و ہند کی سرزمین کو کئی قسطوں میں فتح کیا۔ اس ”فتح مبین“ کی ابتدا نوجوان جرنیل اور فاتح محمد بن قاسم نے ۹۳ھ/۷۱۲ء میں حملہ سندھ سے کی، اس نوجوان فاتح نے نہ صرف راجہ داہر کو اس کی مسلسل پیمان شکنیوں کی سزا دی بلکہ دیبل (نواح کراچی) سے لے کر ملتان تک کا علاقہ (بشمول بلوچستان) فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔ محمد بن قاسم کشمیر اور شمالی ہند پر اپنے حملے کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے کہ دربار خلافت کی طرف سے ان کی معزولی کے فرمان نے ہندو پاک کے بقیہ خطوں کو مسلمانوں کے قدم مہمنت سے کچھ عرصے کے لئے محروم کر دیا۔

فتوحات اسلامیہ کا اگلا باب سلطان محمود غزنوی (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے اپنے سترہ

حملوں کے ذریعے تصنیف کیا۔ مسلمانوں نے نہ صرف ہندو راجوں اور مہاراجوں کی فوجی قوت کا خاتمہ کیا بلکہ موجودہ پاکستان میں شامل جنوبی پنجاب و سرحد کے بیشتر علاقوں کو فتح کر کے سلطنت غزنویہ کا حصہ بنا دیا۔ سلطان محمود غزنوی کے مشن کی تکمیل سلطان شہاب الدین محمد غوری اور اس کے بہادر سپہ سالار و جانشین سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھوں سے ہوئی۔ جنہوں نے دہلی اور اس کے آگے تک کے علاقوں کو فتح کر کے ”سلطنت دہلی“ قائم کی۔ اسی زمانے میں ایبک کے جرنیل محمد بن بختیار خلجی نے عزم و جواں ہمتی کی ایک داستان تصنیف کر کے بنگال، بہار اور ہماچل پردیش وغیرہ کے دروازے مسلم افواج کے لئے کھول دیئے، جبکہ جنوبی ہند اور دکن کو سلطان علاؤ الدین خلجی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۲۹۶ء) کے حکم پر اس کے سپہ سالار ملک کافور نے فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔ یوں چھ صدیاں پہلے کا ”فتح ہند“ کا مشن مجموعی طور پر اختتام کو پہنچا، گو جزوی طور پر یافت اور بازیافت کا سلسلہ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۶۵۷ھ/ ۱۶۵۷ء) کی وفات تک جاری و ساری رہا۔

اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بر عظیم پاک و ہند کی اس سرزمین کو مسلمانوں نے بڑی طویل جدوجہد اور کئی خونریز جنگوں کے بعد حاصل کیا، اس کے حصول کے لئے بلا مبالغہ ہزاروں مسلمانوں نے جان و مال اور عزت و ناموس کی قربانیاں پیش کیں، اس بنا پر یہ سرزمین فتوحات اسلامیہ کی قسم ثانی ہی کے زمرے میں آتی ہے، جس پر بلاشبہ ”فتح الامام بلدة عنوة ای قہراً“ (امام کا کسی علاقے کو بزور شمشیر فتح کرنے کا) عنوان ہی صادق آتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے اس ”قسم ثانی“ کے لئے کیا احکام تجویز کئے ہیں۔

کتب تاریخ مثلاً البلاذری کی فتوح البلدان، ابن الاثیر کی تاریخ الکامل، قاضی ناصر کی طبقات ناصری اور محمد بن قاسم فرشتہ کی تاریخ فرشتہ وغیرہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام مفتوحہ علاقوں پر مسلم فاتحین نے ”خراج“ ہی مقرر کیا تھا۔ اس طرح یہ تمام زمینیں ”سواد عراق“ (عراقی سرزمین) ہی کے طبقے میں شامل سمجھی جاتی ہیں۔

”عراق“ کی سرزمین جو بعد کے مفتوحہ علاقوں کے لئے ایک نظیر اور بنیاد ثابت ہوئی ”عمد فاروقی“ میں فتح کی گئی۔ فتح کے بعد اس کی تقسیم پر صحابہ کرام کے درمیان اختلاف پیدا

ہو گیا۔ بعض صحابہ کرام یہ چاہتے تھے کہ اس تمام مفتوحہ علاقے کو ”مجاہدین“ کے مابین اسی طرح تقسیم کر دیا جائے، جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی مفتوحہ زمینوں کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم فرمایا تھا، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر رد فرمایا کہ اگر تمام مفتوحہ زمینیں موجودہ مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں تو آئندہ دور کے مسلمانوں کی ضروریات کی کفالت کیوں کر ہو سکے گی۔ اور پھر حضرت فاروق اعظمؓ یہ بھی مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اگر زمینوں کی تقسیم کا یہ عمل اسی طرح جاری رہا تو ایک طرف تو صحابہ کرام کے بڑھتے ہوئے قدم زمینداری کے خارزار میں الجھ کر رہ جائیں گے اور دوسری طرف خود مسلمانوں میں بڑے بڑے زمیندار پیدا ہو جائیں گے اور یوں دولت اور وسائل کے ارتکاز کی وہ صورت حال پیدا ہو جائے گی جس سے قرآن مجید میں صراحتاً روکا گیا ہے۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس اختلاف اور پھر اجماع کی روداد ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :

”فتح عراق کے وقت عمر فاروقؓ میں مسلمانوں کے درمیان (زمینوں کی تقسیم کے مسئلے پر) اختلاف پیدا ہو گیا۔ امام ابو یوسف اپنی کتاب الخراج میں یہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بہت سے علماء مدینہ نے یہ بیان کیا کہ جب حضرت عمر فاروقؓ کے پاس حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف سے فتح عراق کا مرثہ لے کر وفد پہنچا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اراضی عراق و شام کے بارے میں مشورہ کیا۔ اس سلسلے میں کچھ لوگوں نے حضرت عمر فاروقؓ سے کہا کہ وہ اراضی ان کا حق ہیں فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ اگر ساری اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو پھر بعد کے آنے والے مسلمانوں کا کیا ہو گا..... اگر میں عراق و شام کی تمام زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دوں تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔ نیز اولاد اور اس علاقے کے لوگوں کے لئے کیا بچے گا۔ جبکہ اہل عراق و شام حضرت عمرؓ سے با اصرار یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ اس زمین کو ایسی قوم کی کفالت کے لئے وقف کر دیں جو کہ ان جنگلوں میں شامل نہیں، اور مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے لئے حضرت عمرؓ کی اس رائے پر مہاجرین تو متفق ہو گئے مگر انصار متفق نہ ہوئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ۵ صحابہ اوس سے اور پانچ خزر ج سے طلب کئے۔ اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ انہوں نے اس فیصلے سے اتفاق کر لیا۔“

ارض عراق کے بارے میں حضرت فاروق اعظم کے اس حکم کو امام ابو عبیدہ القاسم بن سلام نے یوں نقل کیا ہے:

”یہ زمینیں مسلمانوں کے لئے محفوظ بطور وقف رکھی جائیں کہ نسل بعد نسل ان کا فائدہ پہنچتا رہے۔ اور ان کے لئے اپنے دشمن کے مقابلے میں تقویت کا باعث ہوں۔“

حضرت فاروق اعظم کا یہ حکم نامہ فقہاء کے مابین بھی اختلاف و نزاع کا باعث بنا، چنانچہ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ اگر چاہے تو مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین (غنائم) میں تقسیم کر دے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو تقسیم فرمایا اور چاہے تو وہ زمین اس کے قدیم مالکوں کے قبضے میں رہنے دے اور خود کفار پر جزیہ اور زمینوں پر خراج مقرر کر دے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق نے صحابہ کرام کے لئے فرمایا۔ ”موسل علی“ کے بارے میں یہی حکم نافذ فرمایا۔ بعض قدیم مصادر میں حنفی مسلک کے بیان کے لئے ”وقف“ کی اصطلاح بھی ملتی ہے۔ ”جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے حاصل شدہ منافع تمام مسلمانوں پر تقسیم ہوں گے“ امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے بھی اس دوسری صورت کو ترجیح دی ہے، البتہ امام شافعی اسے مجاہدین میں تقسیم کرنے کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مفتوحہ زمینیں مجاہدین کی رضامندی کے بغیر وقف نہیں کی جاسکتیں۔ لیکن بقول امام شوکانی جمہور صحابہ و تابعینؓ اور خلفائے راشدین کی آراء حنفی و مالکی مسلک کی تائید کرتی ہیں

بر عظیم پاک و ہند کی تمام زمینیں چونکہ بزور شمشیر فتح کی گئی ہیں اسی لئے اس پر قریب قریب تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ تمام زمینیں خراجی ہیں۔ عشری نہیں ہیں۔ اور یہ کہ خراجی زمینوں کا خراج تمام مسلمانوں کی بہبود و کفالت عامہ کی مد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، ہندوستان کے علماء و فقہاء نے خاص اس مسئلے کی تحقیق و تدقیق کے لئے بڑی بڑی کاوشیں کی ہیں۔ ہندوستان کے تمام فتاویٰ میں یہ مضمون تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ فتاویٰ کے علاوہ اس عنوان پر مستقل کتابوں کی بھی کمی نہیں۔ ہندوستان کے ایک جلیل القدر عالم مولانا جلال الدین تہانیسری (م ۱۹۸۹ھ/ ۱۵۸۱ء) نے عربی زبان میں ایک مستقل

رسالہ ”تحقیق اراضی ہند“ تصنیف فرمایا جو ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں مطبع احمدی میں طبع ہو چکا ہے اور اس کے قلمی نسخے جامعہ پنجاب لاہور کی سمیت مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ اس واقع علمی رسالے میں شیخ جلال الدین تہانیسری نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بیشتر زمینیں ان لوگوں کی ملک نہیں ہیں جن پر وہ قابض ہیں بلکہ ان میں سے اکثر زمینیں سرکاری خزانے کی مملوکہ ہیں اور حکومت اسلامیہ مفاد عامہ کے لئے ان میں جائز تصرف کرنے کی مجاز ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”پس نتیجہ یہ نکلا کہ امام ابو حنیفہ کے قول پر ہندوستان کی اکثر بیشتر اراضی ان لوگوں کی ملکیت نہیں ہیں جو ان پر قابض ہیں۔ سوچو اور سمجھو پھر معلوم رہے کہ جب یہاں کی اراضی کے انواع مختلفہ پر قائم ہیں جن کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے تو اراضی ہند کے متعلق کسی شخص کی ملکیت و عدم ملکیت پر حکم لگانا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ ذکر کردہ انواع میں سے کس نوع میں شامل ہے۔“

شیخ جلال الدین تہانیسری کے یہ فقہی ارشادات اس زمانہ سے متعلق ہیں جب ہندوستان پر مسلم حکومت کا آفتاب عین نصف النہار پر تھا۔ اور ہندوستان کے طول و عرض میں مغل اعظم کے اقتدار کی بساط بچھی ہوئی تھی جبکہ متاخر مغلیہ عہد کے مشہور و معروف محقق قاضی محمد اعلیٰ التھانوی (م ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء) مؤلف کشاف اصطلاحات الفنون نے بھی خاص اسی موضوع پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا، جو تاہنوز زلیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ اس رسالے میں قاضی التھانوی نے شیخ جلال کے مسلک کی تائید کی اور اسی کو راجع قرار دیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری اس کی بابت فرماتے ہیں:

”مولانا محمد اعلیٰ تھانوی نے اپنے رسالے میں ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند عشری ہیں اور نہ خراجی بلکہ اراضی حوزہ یعنی سرکاری بیت المال کی ملکیت ہیں، کسی کی شخصی ملکیت نہیں۔“

قاضی محمد اعلیٰ تھانوی قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کے ہم عصر ہیں۔ مگر معاشرت کے باوجود دونوں کی آراء میں ہمیں معمولی سا اختلاف نظر آتا ہے۔ جس کی تفصیل سطور ذیل میں پیش کی

جائے گی۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے اس عنوان پر گو مستقل رسالہ یا کتاب تو تصنیف نہیں کی تاہم انہوں نے اس کے متعلق فتاویٰ ضرور تحریر کئے ہیں جن میں سے دو فتاویٰ دستیاب ہیں جن میں اس موضوع پر مفصل اظہار خیال کیا گیا ہے۔

قاضی صاحب کے ان فتوؤں کا شان ورو دیہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کی طرف سے مختلف امراء اور خاندانوں کو ”مدد معاش“ کے لئے جو زمینیں دی جاتی تھیں قاضی صاحب کے زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا یہ زمینیں ان لوگوں کی شرعی ملکیت ہیں یا یہ ملکیت محض عارضی اور وقتی نوعیت کی ہے۔ اس مسئلے میں کاندھلہ کے ایک مشہور عالم دین مفتی الہی بخش کاندھلوی (۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۹ء) کے پاس قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کا فتویٰ موجود تھا جس میں قاضی صاحب نے اسے قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی خدمت میں ارسال کیا، ٹھیک طور پر تو معلوم نہ ہو سکا کہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کے فتویٰ کی اصل عبارت کیا تھی۔ لیکن قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی عبارت کے بین السطور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس میں چند اختلافی مسائل پر اظہار خیال کیا گیا تھا۔ قاضی صاحب اس فتوے پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”بعد سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ آپ کا پہلا خط مع استفتاء ملا تھا، اس کے ساتھ قاضی محمد اعلیٰ کی مہر لگا ہوا وہ حکم نامہ بھی تھا جو مدد معاش کے بارے میں بادشاہ کے دستور العمل کی مطابقت پر قاضی کے حکم کے بارے میں تھا۔ اس بارے میں فتویٰ تحریر کیا جاتا ہے۔“

”سواد عراق کی زمینوں کی طرح ہندوستان کی زمینیں بھی نہ مسلمان بادشاہوں کی ملکیت ہیں اور نہ مسلمانوں کی بلکہ ان کے مالک زمین والے ہی ہوں گے، خواہ کافر کیوں نہ ہوں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں سواد کی زمین زمین والوں کی ہوگی، ان لوگوں کو اسے بیچنے اور امیں تصرف کرنے کا حق حاصل رہے گا۔ کیوں کہ امام جب کسی زمین کو زبردستی فتح کرے تو وہ اس پر زمین والے کے قبضے کو برقرار رکھے گا اور اس پر خراج عائد کرے گا۔ اس طرح زمین (پہلے کی طرح) اپنے مالک کی ملکیت اور تصرف میں رہے گی۔“

زمین پر خراج ایک اسلامی حق ہے، بادشاہ اس کو لینے اور اس کے مصرف میں خرچ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اگر وہ بیجا مصرف میں خرچ کرے گا تو وہ گنہ گار ہو گا۔ قاضی صاحب کا یہ زمانہ ایک عبوری دور سمجھا جاسکتا ہے جس میں ملکی اور قومی سطح پر تبدیلیوں کا عمل بڑی تیزی کے ساتھ جاری تھا۔ مغل انتظامیہ کمزور سے کمزور ہو رہی تھی اور دوسری جانب مختلف صوبوں کے گورنر اپنی اپنی جگہ خود مختار ہو رہے تھے۔ اگر مزید گہرائی میں جا کر سوچا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ برعظیم پاک و ہند میں بڑی بڑی جاگیروں اور جائیدادوں کے قیام و استحکام کا یہی زمانہ تھا۔ لہذا اسے وقت کا اہم ترین مسئلہ یعنی *BURNING QUESTION* بھی کہا جاسکتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے اس فتوے میں اسی صورت حال کو پیش نظر رکھا ہے۔ قاضی صاحب کا یہ فتویٰ مفصل ہے اس میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱..... کوئی بادشاہ اسلام کسی شخص کو عطا کر دے اور وہ اس بنجر زمین کو آباد کر لے تو وہ اس کا جائز مالک ہو گا اور حکومت وقت اس سے عشر یا خراج وصول کر کے اس کے جائز مصرف میں خرچ کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔

۲..... اگر زمین سرکاری بیت المال کی ہے جسے ”ارض حوزہ“ کہا جاتا ہے اور بادشاہ وقت اس میں سے کسی شخص کو کوئی قطعہ مرحمت کر دے تو وہ اس کا شرعی مالک متصور ہو گا۔

۳..... ان دو اقسام کے علاوہ قاضی صاحب کے نزدیک ہندوپاک کی بیشتر اراضی ”خراجیہ“ ہے یعنی نہ وہ بادشاہ اسلام کی ملکیت ہے اور نہ مسلمانوں کی، بلکہ وہ اراضی اصل قدیمی باشندوں کی ملکیت ہے۔ اسلامی حکومت ان کا خراج وصول کرنے اور اسے کفالت عامہ کی مد میں صرف کرنے کی مجاز ہوگی۔

۴..... اگر وہ اراضی مقامی کسانوں کی ملکیت ہو اور بادشاہ وقت نے کسی شخص کو محض اس زمین کا محصول (لگان) وصول کرنے کا حق دیدیا ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص متعلقہ زمین کا مالک نہ ہو گا۔ بلکہ محض اس کے محصول کو وصول کرنے کا حقدار ہو گا۔

۵..... اسی طرح اگر بادشاہ ”مدد معاش“ کے لئے کسی شخص کو مزرعہ زمین کا خراج وصول کرنے کے اختیارات سونپ دے جیسا کہ ہندوستان کے عام بادشاہوں کا دستور ہے تو ایسی صورت میں وہ شخص محض خراج وصول کرنے کا اہل ہو گا وہ نہ اس خراج کو بیچ سکتا ہے اور

نہ کسی کو بطور عطیہ اور ہبہ کے عطا کر سکتا ہے۔ فتاویٰ احمدیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ :

”جن زمینوں کو امام استحقاق کے طور پر کسی شخص کو دیتا ہے تو یہ شخص ان زمینوں کا مالک نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے نہ انکو بیچا جاسکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جائے گا۔ اور نہ انہیں وراثت چلے گی بلکہ عطا کئے جانے والے شخص کی وفات کے بعد خراج بیت المال میں داخل کر لیا جائے گا۔“

۶..... قاضی محمد اعلیٰ التھانوی کے نزدیک پرانے بادشاہوں کا دستور العمل ان کے بعد بھی جاری رکھا جاسکتا ہے اور اس ضمن میں قاضی کے فیصلے کو ”حکم حاکم“ ہی کی حیثیت حاصل ہوگی مگر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو قاضی محمد اعلیٰ کی اس رائے سے اتفاق نہیں، ان کے خیال میں ”مدد معاش“ کے تحت دی جانے والی زمینوں کے بارے میں بادشاہ کی زندگی تک ہی محدود رہے گا۔ اس کی وفات کے بعد اسے جاری نہیں رکھا جاسکتا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بادشاہ سابق نے کسی شخص کو خراجی زمینوں میں سے کوئی جاگیر دی ہو تو وہ چونکہ ملک کی زمینوں کا مالک نہیں ہے بلکہ منتظم ہے لہذا ملکی اراضی کسی خاندان کی مستقل ملکیت میں دینا اس کے اختیارات سے تجاوز ہے اور اس عطیے پر نظر ثانی کا حق مملکت کو بہر حال رہتا ہے۔

یہاں شیخ جلال الدین تہا نیسری اور قاضی صاحب کے نقطہ نگاہ کا فرق محسوس کیا جاسکتا ہے شیخ جلال الدین کے نزدیک اگر بادشاہ وقت خراجی زمین کسی کو بطور جاگیر عطا کر دے تو وہ سابقہ مالکان کی ملک سے خارج ہو کر اس کی ملک میں داخل ہو جائے گی۔ مگر قاضی صاحب کے نزدیک بادشاہ وقت کو اس قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں، ہندوپاک کی اراضی مملکت کی اراضی ہیں بادشاہ زیادہ سے زیادہ کسی کو مدد معاش کے لئے اس کا لگان وصول کرنے کا اختیار دے سکتا ہے اور وہ بھی عارضی اور محدود مدت کے لئے یوں اراضی ”ہندوپاک“ اصل مالکان کی ملک میں رہتے ہوئے مملکت یعنی سٹیٹ کی ملکیت ہوں گی۔

قاضی محمد اعلیٰ التھانوی کا یہ بھی خیال تھا کہ صدر الصدور کو یا قاضی شہر کو بحیثیت نائب سلطان جاگیروں کو بحال رکھنے یا منسوخ کرنے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ مگر قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اس نکتے سے اختلاف کرتے ہیں اور واضح فرماتے ہیں کہ قاضی کو

محض حکم شرعی کے مطابق یا ”بادشاہ حال“ کے دستور العمل کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس سے تجاوز کرنے کا نہیں، قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

”لیکن یہ واضح رہے کہ یہ حکم موجودہ بادشاہ سے متعلق ہے کیوں کہ اگر بادشاہ کا انتقال ہو جائے یا وہ معزول کر دیا جائے تو اس کا حکم معتبر نہ ہو گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ بادشاہ اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں نہیں پہنچ سکتے تھے اس لئے وہ صدور کو مقرر کرتے اور اپنا دستور العمل تحریر کرتے تھے، اسی کے مطابق انعام پانے والے کے ورثہ معاشی مدد کے لئے دی جانے والی زمینوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ یہ دستور العمل بادشاہ کی زندگی تک جاری و معتبر سمجھا جاتا ہے۔ صدور اسی پر عمل کرتے ہیں اور قضاہ بھی صدور کے حکم کو جاری کرتے ہیں کیوں کہ وہ بادشاہ کے نائب ہوتے ہیں لیکن بادشاہ کی موت کے بعد وہ دستور العمل معتبر نہیں رہ جاتا۔“

انگریزوں کی عطا کردہ اراضی کا حکم

قاضی صاحب نے مذکورہ دونوں فتاویٰ ۱۲۱۱ھ/ ۱۷۹۶ء میں تحریر فرمائے اس وقت دہلی اور پانی پت پر ابھی انگریز حکومت کی عملداری قائم نہ ہوئی تھی، انگریزوں نے دہلی اور تمام دوآبہ پر لارڈ لیک کی قیادت میں ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء میں قبضہ کیا اسی لئے ان فتاویٰ میں برطانوی استعمار کی عطا کردہ اراضی کا مسئلہ زیر بحث نہیں لایا جاسکا اور نہ ہی قبل از وقت ایسا ممکن تھا، تاہم قاضی صاحب نے بطور اصول اور ضابطے کے چند ایسے نکات بیان کئے ہیں کہ جن سے اس اہم مسئلے میں بھی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان میں سے ایک اصول تو یہ ہے کہ کسی بھی بادشاہ وقت کو مملکت اسلامیہ کا کوئی بھی قطعہ اراضی (باستثنائے چند) کسی کی مستقل ملکیت میں دینے کا حق چل نہیں ہے۔ وہ مدد معاش کے طور پر کسی علاقے کا خراج وصول کرنے کا اختیار کسی کو تفویض کر سکتا ہے۔ مگر یہ اختیار بھی خالصتاً عارضی بنیادوں پر اسے حاصل رہے گا۔ جبکہ دوسرا اصول یہ ہے کہ ”مدد معاش“ کی آگے منتقلی محض بادشاہ وقت کے دستور العمل کے مطابق ہو سکتی ہے۔ اب آئیے ہم دیکھیں کہ برطانوی استعمار نے بر عظیم پاک و ہند کی یہ سرزمین کس طرح حاصل کی اس سلسلے میں محتاط سے محتاط بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ انگریزوں نے جنگ بکسر (۱۷۹۱ھ/ ۱۷۶۵ء) کے ایک سال بعد مغل

بادشاہ شاہ عالم سے بنگال کے حقوق دیوانی دو لاکھ روپے میں حاصل کر لئے تھے۔ اور بعد ازاں وہ مکرو فریب کی سیاست کے ذریعے مغلیہ حکومت کے وکیل مطلق بنے اور پھر انہوں نے بادشاہ ہند کو اپنا وظیفہ خوار بنالیا۔ اس طرح ہندوستان پر انگریز راج دھوکے اور شاطرانہ چال بازی کے بل بوتے پر قائم ہوا۔ ایسی صورت میں اس کو کسی قسم کی شرعی اور قانونی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے تمام علماء و فقہانے انگریز حکومت کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا اور انگریز حکومت کے دو صدیوں پر محیط دور حکومت میں ہمیشہ مسلمانوں نے اس کے خلاف علم جہاد بلند رکھا۔ اس پس منظر میں انگریز حکومت کی جانب سے جن لوگوں کو اپنائے وطن سے غداری کے نتیجے میں سیکڑوں کے حساب سے مربع الاٹ کئے گئے گو مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور نے ان کے جائز ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ مگر قاضی صاحب کے مذکورہ بالا اصولوں کے تحت اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا تاہم قانون رواج کے تحت ان کو ملواریا جاسکتا ہے۔ قاضی صاحب نے ہندو پاک کی اراضی کے بارے میں جو نقطہ نظر پیش کیا۔ سراج النہد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۷۲۴ء) اور شاہ اسماعیل شہید (م ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۳۱ء) کے فتاویٰ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

اختتام

اسلامی معاشی نظام محض ”سود“ کا نام بدل دینے یا ہر سہ ماہی کے بعد سود و سوریہ فی خاندان زکوٰۃ تقسیم کرنے سے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بجائے اسلامی معاشیات کی منزل مراد کفالت عامہ کا تصور ہے جسے قرآن مجید نے وَ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ یعنی لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہیں) کوں مال خرچ کریں کہہ دو جو ضرورت سے زیادہ ہو اور وَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ یعنی اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا ہے وغیرہ کی آیات طیبہ کے ذریعے سے پیش کیا ”کفالت عامہ“ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی مملکت کے ہر شہری کو رہنے کے لئے مکان، کھانے کے لئے روٹی اور پہننے کے لئے موسم کے مطابق لباس ملنا چاہئے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ روٹی کپڑے اور مکان کا یہ نعرہ سوشلزم نے دیا حالانکہ یہ پروگرام سب

سے پہلے اسلام نے پیش کیا تھا۔ علامہ ابن حزم (م ۳۵۶ھ/۱۰۶۳ء) اپنی کتاب المحلی میں تحریر فرماتے ہیں:

فرض علی الاغنیاء من اهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم و یجبرهم السلطان علی ذالک ان لم تقم الزکوات بهم ولا فی سائر اموال المسلمین بهم فیتقام لهم بما یرکلون من القوت الذی لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذالک ویمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارہ

ہر شہر کے مالداروں پر یہ فرض ہے کہ اپنے شہر کے فقراء کی ضرورتوں کو پورا کریں اگر زکوٰۃ اور مسلمانوں کے دیگر ذرائع سے ان کی ضرورتیں پوری نہ ہوں تو بادشاہ ان کو مجبور کر کے مطابق خوراک، سردی گرمی کے مطابق لباس اور بارش اور گرمی سردی سے بچنے کے لئے مکان مہیا کریں۔

اگر کسی وقت صحیح اقتصادی نظام قائم ہوا اور اس نے ”مملکت پاکستان“ کے تمام باشندوں کی کفالت عامہ کے پروگرام کو اپنا مشن بنایا تو اس کے لئے قاضی صاحب کے ان مذکورہ فتاویٰ میں بھرپور رہنمائی موجود ہے۔

